Journal of Islamic Civilization and Culture (JICC)

JOURNAL OF ISLAMIC CIVILIZATION AND CULTURE(JICC)

Volume 3, Issue 1 (Jan-June, 2020)
ISSN (Print):2707-689X
ISSN (Online) 2707-6903
Issue: http://ahbabtrust.org/ojs/index.php/jicc/issue/view/8
URL: http://ahbabtrust.org/ojs/index.php/jicc/article/view/84/100
Article DOI: https://doi.org/10.46896/jicc.v3i01.84

Title Jews Claim on Masjid Aqsa; Historical and Sharīʼah Perspective

Author (s): Dr. Riaz Ahmad Saeed, Dr. Syed Muhammad Shahid Tarmizi

Received on: 29 June, 2019
Accepted on: 29 May, 2020
Published on: 25 June, 2020

Citation: Dr. Riaz Ahmad Saeed and Dr. Syed Muhammad Shahid Tarmizi, "Construction: Jews Claim on Masjid Aqsa; Historical and Sharīʼah Perspective," JICC: 3 no, 1 (2020): 53-80

Publisher: Al-Ahbab Turst Islamabad

Click here for more

مسجد اقصیٰ پر یہود کا دعویٰ ملکیت: تاریخی و شرعی تناظر میں جائزہ

Jews Claim on Masjid Aqsa; Historical and Sharī’ah Perspective

ڈاکٹر ریاض احمد سعید*

ڈاکٹر سید محمد شاہ مد ترمذی**

Abstract

Palestine’s issue has been one of the most vibrant issues of the Muslim Ummah thou out the Islamic history. It has contracted more attraction and reflection in contemporary era due to its sensitivity and global politics. Masjid Aqsa is considered as a scared and blessed place for Muslims due to prophets’ birth and death places, and also station of Isrā and M’erāj (A sacred journey of the Holy Prophet ﷺ) from Makah to Aqsa and Aqsa to heaven with Allah’s meeting of the last Prophet (ﷺ). Moreover, this place is equally significant for Muslims and Jews communities both for their religious claims and commitments. Jews made claim on Masjid Aqsa due to its historical and religious importance. Most interesting thing is that, where Masjid Aqsa is a blessed and sacred place as well as, it is a basic reason of conflict and dispute between Muslims and Jews since establishment of the State of Israel. Jews claim, here was temple of Suleiman (A.S) under the foundations of Masjid Aqsa and Muslims claim, it is blessed and sacred masjid which was first Qiblah of Muslims and Haram also. Historically and religiously it is right of Muslims and Jews are hurting the religious sentiments of the Muslim which is wrong and violations of the Muslims religious and human rights. This study is an effort to analyze the historical and religious arguments of Muslims and Jews about ownership of the Masjid Aqsa and presents a solution regarding Palestine issue in contemporary era. The analytical, historical and comparative approaches have been adopted in this research with qualitative approach.

Keywords: ***Masjid Aqsa, ownership claims, Jews and Muslims, contemporary era, analysis***

---

*لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، نمل، اسلام آباد

**لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، نمل، اسلام آباد

تمہید:

عالم اسلام اس وقت اپنے طول و عرض میں جن اقتصادی، سیاسی و نظریاتی مسائل و مشکلات سے دوچار ہے، ان میں مسئلہ فلسطین اس لحاظ سے ایک خاص مذہبی وسیاسی نوعیت رکھتا ہے کہ یہ سرزمین بے شمار انبیا کا مولد و مسکن ہونے کی نسبت سے ایک نہایت بابرکت اور مقدس سرزمین سمجھی جاتی ہے اور اس میں انبیاے بنی اسرائیل کی یادگار کی حیثیت رکھنے والی تاریخی مسجد اقصیٰ موجود ہے جس کی تولیت کے حق کا مسئلہ مسلمانوں اور یہود کے مابین متنازع فیہ ہے۔ یہود کا دعویٰ ہے کہ اس جگہ صدیوں پہلے "ہیکل سلیمانی"[1] کے نام سے ان کا ایک انتہائی مقدس مرکز عبادت تعمیر ہوا تھا جو گوناگوں تاریخی حالات اور واقعات کے نتیجے میں تباہ و برباد ہو گیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اب اس جگہ کو دوبارہ اپنے تصرف میں لے کر یہاں اس عبادت گاہ کو از سر نو تعمیر کریں۔ اگرچہ اسرائیلی حکومتیں اور وہاں کے سیکولر حلقے بالعموم اس تصور کی حوصلہ شکنی ہی کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور خود یہود کے مذہبی حلقوں میں بھی اس کی تفصیلات کے حوالے سے بہت اختلافات پائے جاتے ہیں، تاہم اصولی طور پر اس جگہ کی بازیابی اور یہاں ہیکل کی تعمیر کو ان کے اعتقاد کے ایک جزولاینفک کی حیثیت حاصل ہے۔

اس کے مقابلے میں امت مسلمہ کی نمائندگی کرنے والے کم و بیش تمام مقتدر اہل علم اور علمی وسیاسی ادارے مسجد اقصیٰ کے حوالے سے جس موقف پر متفق ہیں، وہ یہ ہے کہ یہ مقام تاریخی اور شرعی لحاظ سے بلا شرکت غیرے مسلمانوں کی ملکیت ہے، اس کی تولیت اور اس میں عبادت خالصتاً مسلمانوں کا استحقاق ہے، اور یہود کا اس مقام پر عبادت کرنے یا یہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کا مطالبہ مسلمانوں کے ایک مقدس مقام کی توہین اور ان کے مذہبی جذبات کی پامالی کی ایک سازش ہے۔ حال ہی میں اسرائیل نے عالمی طاقتوں کی شہ پر ایک ماہ کے ظلم و بربریت میں کم و بیش 2000 فلسطینیوں کو شہید کیا جبکہ ہزاروں زخمی ہو گئے بلکہ اربوں کھربوں کا مالی نقصان الگ ہے۔ اسرائیل یہ دعوی کرتا آیا ہے کہ فلسطین اور مسجد اقصی اس کی ملکیت ہے۔ عصر حاضر میں اس دعوے کے تناظر میں یہ جاننا ضروری ہے کہ فلسطین اور مسجد اقصیٰ سے مسلمانوں کا کیا تعلق ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ اسی اہم ترین مسئلے کو اجاگر کرنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ اس مقالے میں مسجد اقصیٰ پر یہود کا دعویٰ ملکیت اور عصر حاضر کے تناضر میں تاریخی و شرعی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مقالے میں تاریخی، تجزیاتی اور تقابلی منہج کو اختیار کیا گیا ہے۔

مسجد اقصیٰ کی مختصر تاریخ:

مصریوں کی غلامی سے رہائی کے بعد جب صحراے سینا میں بنی اسرائیل کو سیدنا موسٰی علیہ السلام کے ذریعے سے باقاعدہ شریعت عطا کی گئی تو ساتھ ہی حضرت موسٰی کو یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ وہ بدنی اور مالی عبادت کی مختلف رسوم ادا کرنے کے لیے خیمے کی شکل میں بنی اسرائیل کے لیے ایک عبادت گاہ بنائیں۔ اس خیمے کی بناوٹ، اس کے ساز وسامان اور اس میں ادا کی جانے والی رسوم کی پوری تفصیل خود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو سمجھائی۔[2] تورات میں اس خیمے کا ذکر "خیمۂ اجتماع"، "مقدس"، "مسکن" اور "شہادت کا خیمہ" کے مختلف ناموں سے کیا گیا ہے۔ حضرت موسٰی کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ خاص وضع کا ایک صندوق بنا کر اس میں تورات کی الواح کو محفوظ کریں اور اسے 'خیمہ اجتماع' میں ایک مخصوص مقام پر مستقل طور پر رکھ دیں[3]۔

موجودہ بائبل[4] کی کتاب تورات[5] میں اس کو 'عہد کا صندوق' (تابوت سکینہ[6]) کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

اس متحرک اور قابل انتقال (Mobile) عبادت گاہ کا حکم صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کے عارضی قیام اور مسلسل نقل مکانی کے پیش نظر دیا گیا تھا۔ ۱۴۵۰ ق م میں حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کے بعد تقریباً چار صدیوں تک بنی اسرائیل علاقے میں پہلے سے آباد مختلف نسلی گروہوں کے ساتھ لڑنے اور انہیں مغلوب کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ اس عرصے میں چونکہ سرزمین فلسطین پر بنی اسرائیل کے قبضے اور ان کے سیاسی اقتدار کو استحکام حاصل نہیں تھا، اس لیے مرکز عبادت کی حیثیت اسی 'خیمہ اجتماع' کو حاصل رہی۔ چار صدیوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد آخر سیدنا داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل ان کی قیادت میں ان مقامی گروہوں کو بڑی حد تک کچلنے اور ایک مستحکم سلطنت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک باقاعدہ مرکز عبادت تعمیر کرنے کی ہدایت ملی۔[7] حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مقصد کے لیے ارنان یبوسی نامی شخص سے اس کا ایک کھلیان خریدا جو کوہ موریا پر واقع تھا اور تعمیر کے لیے ابتدائی تیاریاں شروع کر دیں۔ تاہم اپنی حیات میں وہ اس مرکز عبادت کو تعمیر نہ کر سکے اور اپنے فرزند سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اس کی تعمیر کی وصیت کرتے ہوئے معبد کا تفصیلی نقشہ انہیں سمجھا کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔[8]

فلسطین کے سب سے قدیم نام کنعان کی طرف پہلا اشارہ تل العمارنہ کی کھدائی کے دوران پایا گیا تل العمارنہ کا زمانہ 15 صدی قبل مسیح کا ہے کھدائی کے دوران جو نام پایا گیا وہ وہ کناہی (kinahi) آیا کینا ہنا (kinahna) ہے اور ان دونوں کی اصل کنعان ہے اس کھدائی سے مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ نام ان شہروں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو نہر اردن کے مغرب میں واقع ہے شام بھی ان میں سے ایک شہر ہے۔ تورات میں لفظ

کنعان کا استعمال انہیں شہروں کے لئے کیا گیا ہے۔اس لئے واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہودیوں کی مقدس کتاب تورات میں بھی اعتراف یہی ہے کہ فلسطین یہودیوں کا شہر نہیں۔یہودی حضرت یوشع بن نون کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے اس شہر میں داخل ہوئے تھے[9]۔

اس جانب مصنف ڈی ایل کارنیو نے بھی اشارہ کیا ہے۔معاصر فلسطینی ہی صاحب حق ہیں۔کنعانی ہی ہمیشہ سے فلسطین کے باشندے رہے ہیں۔اسرائیل درحقیقت ایک چھوٹا سا قبیلہ تھا جس نے کنعان پر قبضہ کرنے کے لیے اس پر حملہ کیا۔کنعان کا نام بعد میں فلسطین رکھا گیا [10]۔مصنف "جوزف ریان" کا کہنا ہے کہ صیہونی دلائل اور حجتوں کے پیش نظر بعض حلقوں میں یہ تاثر قائم ہو گیا ہے کہ فلسطین کی قابل ذکر اور اہم تحریک جو کہ ۷۰عیسوی میں رک گئی تھی یہ تحریک دوبارہ اس وقت شروع ہوئی جب تھیوڈر ہرتزل کی قیادت میں صیہونی تحریک[11] کا آغاز ہوا [12]۔

برطانوی مورخ (Arnold Toynbee) نے لکھا ہے قانونی اعتبار سے تمام تر اسرائیلی مملکت درحقیقت ہمیشہ سے عرب فلسطینیوں کی ملکیت رہی ہے جنہیں وہاں سے زبردستی نکال دیا گیا ہے اور مستقبل میں بھی یہ ہمیشہ عرب فلسطینیوں کی ہیں ملکیت رہے گی [13]۔یہودی مصنف "الفرید لیلینتھل" نے بھی تحقیق میں یہی بات کہی کہ تاریخی اعتبار سے فلسطین دراصل عربوں کا ہی مسکن رہا ہے اور وہی اس کے اصل وارث ہیں۔ "کنعانی ہی وہ پہلے لوگ ہیں جو فلسطین آئے،اس کے بعد دوسرے عرب قبائل آئے،پھر اسکے بعد عبری قبائل آئے بلکہ ہرتزل کے بعد دوسری سب سے بڑی صیہونی شخصیت میں(Max Nordo)کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ جب اسے فلسطین میں عربوں کے سب سے پہلے وجود کا پہلی مرتبہ علم ہوا تو اس نے ہرتزل کے سامنے اپنے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا مجھے اس بات کا تو علم ہی نہیں تھا ہم لوگ درحقیقت ظلم کر رہے ہیں[14]۔

اگر فلسطین میں عربوں کے تاریخی صورتحال کا وہاں کی یہودیوں کی تاریخی صورتحال سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کے عرب فلسطین پر گزشتہ پانچ یا سات ہزار سال سے مسلسل قابض ہیں اس عرصہ میں ایک دن انقطاع نہیں ہوا جبکہ فلسطین میں یہودیوں کی مختلف چھوٹی چھوٹی حکومتیں مختصر مختصر مدتوں کے لئے قائم ہوئیں اور پھر وہ برسہا برس کے لئے معدوم ہو گئیں پھر یہ حکومت ۱۹۴۸ میں برطانوی استعمار یورپ اور امریکہ کی مدد سے دوبارہ قائم ہوئی ہے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس مقدس وعدہ الٰہی کا کوئی اعتبار نہیں جو صدیوں تک روپوش ہو گئی ہوں پر جس کا تاریخ میں کوئی ذکر نہ ملے اور انہیں مرضی سے بدل دیا گیا ہو [15]۔اس حوالے سے فلسطینی جغرافیہ دان خلیل تفکیجی کہتے ہیں:

"ہمارے علم میں یہ بات رہنی چاہیے کہ اسرائیلی سلطنت کے قیام سے پہلے قدس میں یہودی علاقہ کی مسافت 5 ہزار میٹر سے زیادہ نہیں تھیں اوران کی آبادی صرف 90 خاندانوں پر مشتمل تھی اس کے باوجود فلسطین میں اس وقت کے برطانوی حکومت اور صہیونی قائدین نے بالاتفاق شہر قدس کی حدیں اس طرح سے کیں کہ اس میں مزید نئے یہودی علاقوں کو ذم کرنا ممکن ہوسکے لہذا جولائی 1948 میں شہر کی تقسیم اس طرح کی گئی اس کا مشرقی علاقہ عربوں کو دیا گیا اور مغربی علاقہ یہودیوں کو دیا گیا"[16]۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ۱۹۶۷ کی جنگ کے بعد ابتدائی دنوں میں شہر قدس کے مشرقی حصے پر یہودیوں کے قابض ہونے کے بعد اعلان کیا گیا کہ اس شہر کی حدود کو وسیع اور یکجا کیا جائے گا[17]۔

القدس شہر کی تاریخی شکل وصورت تبدیل کرنے کا یہودی طریقہ کار:

یہود نے مجموعی طور پر فلسطین کی تاریخی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے مختلف حربے اختیار کیے ہیں ان تاریخی عمارتوں، مساجد کو مسمار کرنا اور جگہوں کے ناموں کو تبدیل کرنا شامل ہے۔ کسی بھی شہر کی شکل وصورت تبدیل کرنے کا یہ ایک بدترین طریقہ ہے جسے یہودیوں نے اپنا رکھا ہے وہ یہ کہ عرب علاقوں کے آثار مٹا دیئے جائیں، اور وہاں سے حاصل ہونے والے پتھروں اور اینٹوں کو یہودی نوآبادیات میں استعمال کیا جائے ۱۹۴۸ کی جنگ میں صیہونی تحریک اور اس کی مختلف جماعتوں نے قدس کے تمام گوں کو تہس نہس کر دیا تھا۔ اگر آپ کو اس کے مختلف گاؤں سے گزریں تو مصرارۃ باب العمود سے لے کر المالحہ اور مستشفی ہداسا تک کے مختلف فصیلوں میں آپ کو عرب گاؤں کے پتھروں اور اینٹوں کا استعمال نظر آئے گا، یہ چیز عبرانی یونیورسٹی، مستشفی ہداسا، محسنیہ یہودا اور المالحہ وغیرہ کے علاقوں میں بھی نظر آتی ہے، صیہونی قدس میونسپلٹی نے تعمیرات میں سیمنٹ اور کنکریٹ کا استعمال نہیں کیا تاکہ ان کی خوبصورتی بھی باقی رہے اور دیکھنے والے کو لگے یہ فصیلیں سینکڑوں سال پہلے تعمیر کی گئی تھیں، اس طرح صیہونی ان آثار کے ذریعے جھوٹی یہودی تاریخ کو ثابت کر سکیں۔

اسرائیلی روزنامہ ہارٹس نے اپنی 2 جولائی 2007 کے ہفتہ واری ذمیمہ میں ایک رپورٹ شائع کی جس میں اس بات کا اعتراف کیا گیا تھا کہ ۱۹۴۸ میں فلسطینیوں پر شروع ہونے والے ظلم وزیادتی کے ابتدائی دنوں میں اسرائیلی فوج اور تنظیموں نے عرب علاقوں میں موجود دسیوں مساجد کو شہید کر دیا تھا، یہ کاروائیاں فلسطین کی عرب واسلامی تاریخ کو مٹانے کی منظم پالیسی کی ایک کڑی تھیں۔ اس کا حکم خود فوج کی قیادت کی جانب سے دیا گیا تھا۔ اسے "ڈیوڈ بن غوریون" کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ اس رپورٹ کو "میرون ربابوط" نے تیار کیا۔ اس نے اس رپورٹ میں لکھا کہ بیسویں صدی کی پچاسویں دھائی میں اسرائیلی فوج نے مساجد کو منہدم

کرنے کی پالیسی اختیار کی تاکہ قدس سے عرب واسلامی تاریخ اور آثار کو ختم کیا جا سکے۔[18] ربابوط کے مطابق ان میں سے بعض مساجد جنوبی علاقہ کے فوجی قائد "موشی دیان" کے حکم سے منہدم کی گئی تھیں، ان منہدم ہونے والی مساجد میں ایک تو مسجد عسقلان تھی جس کے بارے میں تو بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ہزار سال پرانی تھی ، صحافی ربابوط نے ایک اسرائیلی ایسی دستاویز کا انکشاف کیا ہے جس میں یہ با ت مذکور ہے کہ ان مذکورہ مساجد کو موشی دیان کے حکم سے خاموشی سے شہید کر دیا گیا تھا[19]۔

ڈیوڈ بن غوریون نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ تمام فلسطینی ناموں کو ختم کر دیا جائے خواہ وہ نام عربی ، مسیحی ہو یا یبوسی کنعانی اموری، ان سب ناموں کو عبرانی ناموں میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس حکم کے بعد بہت سے شہروں کے عربی ناموں کو منظم طریقے سے یہودیوں عبرانی ناموں میں تبدیل کیا جانے لگا۔ یہ کام ایک ایسے ادارہ کے ذریعے کیے جانے لگا جس سے مختلف مقامات کو اسرائیلی نام دینے کے لیے قائم کیا گیا تھا اس لئے اسرائیلیوں نے مختلف طریقے اپنائے مثلاً کسی ایک حرف کو دوسرے حرف سے تبدیل کر دینا۔ اصل عربی نام کا عبرانی زبان میں ترجمہ کر دینا۔ مثال کے طور پر زیتون کا نام ہارہ دین اور دلدادہ کا نام ہار دار رکھ دیا گیا۔[20] اسلامی آثار کو ختم کرنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ مسجد کے کچھ حصے کو یہودی عبادت خانہ میں تبدیل کر دیا جائے جیسا کہ قدس کے شمال مشرق میں واقع مسجد النبی، صموئیل اور مسجد خلیل الرحمن کے ساتھ کیا گیا۔ کبھی کبھی یہود مسجد کی مکمل شکل تبدیل کر دیتے جیسا کہ مغربی قدس کے گاؤں صریحہ میں ہوا ہے۔ یہود روزانہ کی بنیاد پر شہر قدس خصوصاً مسجد اقصیٰ سے متعلق مختلف زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ سب سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ وہ دیوار براق [21] پر قابض ہو کر اسے دیوار گریہ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔

انجینئر رائے نجم (مشیر مرکز توثیق وصیانۃ الآثار للقدس) دیوار براق کے سلسلے میں لکھتے ہیں، "دیوار براق وہ دیوار ہے جو حرم شریف کے جنوب مغرب میں واقع ہے جس کی لمبائی تقریبا 48 میٹر اور اونچائی تقریبا 18 میٹر ہے۔ دیوار کا یہ حصہ کبھی بھی یہودی ہیکل کا حصہ نہیں رہا ہے[22]۔ یہودی انسائیکلو پیڈیا کے مطابق شروق التورۃ یہ بتاتے ہیں کہ سولہویں صدی عیسوی تک یہ دیوار یہودیوں کے ہاں عبادت کی جگہ شمار نہیں ہوتی تھی۔[23] تل ابیب یونیورسٹی کے معروف سکالر (Israel Flank stein) اسرائیلی آثار کے ماہر مانے جاتے ہیں اور ابو الآثار کے لقب سے مشہور ہیں۔ انہوں نے اس بات کو مشکوک قرار دیا ہے کہ یہودیوں کا شہر قدس میں کسی بھی طرح کا کوئی تعلق رہا ہے۔ یہ بات اس رپورٹ میں شائع ہوئی تھی جسے اسرائیلی مجلہ Jerusalem report رپورٹ نے اگست 2000 کے شمارہ میں شائع کیا تھا۔[24] خود دیوار گریہ کو تمام یہودیوں کے ہاں

مقدس مقام کا درجہ حاصل نہیں ہے، عمومی طور پر آرتھوڈکس یہودی اس دیوار کے پاس نہیں آتے ہیں۔ اس دیوار کے پاس سب سے زیادہ کثرت کے ساتھ آنے والے وہ یہودی ہیں جو کبالہ جماعت کے پیروکار ہیں ۔یہ لوگ بھی یہاں اس لیے نہیں آتے کہ یہ مقدس مقام ہے بلکہ اس لیے آتے ہیں کیونکہ ان کے مطابق یہ جگہ مذعوم ہیکل سے قریب تر ہے اور مذعوم ہیکل سے جس قدر قریب رہ کر عبادت اور دعا کی جاتی ہے وہ اتنی ہی جلدی خدا تک پہنچتی ہے اور قبولیت حاصل کرتی ہے۔[25]

تاریخی بات یہ ہے کہ جن یہودی و مسیحی سیاحوں اور حجاج نے پندرہویں صدی عیسوی کے اختتام سے پہلے شہر قدس کے زیارت کی تھی ان میں سے کسی نے بھی دیوار براق کے گرد یہودیوں کے موجود ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہودی Babi Moses Basola 1523 میں قدس آئے تھے، انہوں نے بھی دیوار براق کے گرد کسی بھی طرح کے یہودی وجود کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس یہودی عالم نے شہر قدس میں صرف ایک Synagogue کا ذکر کیا ہے۔[26] آثار قدیمہ کی اسرائیلی ماہرہ مائرہ بنت دوف نے یہ کہہ کر ہلچل مچادی کی مسجد اقصیٰ کے نیچے جبل الھیکل کے کچھ بھی آثار نہیں پائے جاتے۔[27]

آکسفورڈ یونیورسٹی میں علم الآثار کی پروفیسر ڈاکٹر کیتھلن کینین کہتی ہیں: " حرم قدسی کے گرد اسرائیل کی جانب سے کی جانے والی کھدائی در حقیقت قدیم تاریخ کو مٹانے کا عمل ہے، قرون وسطی کے اسلامی تعمیرات اور آثار کو ختم کرنا در حقیقت ایک بہت بڑا جرم ہے۔ ان کھدائیوں کے ذریعے سے اسلامی آثار کی شکل تبدیل کرنے کی کوشش کرنا دانشمندی کا اقدام نہیں۔ در حقیقت یہ اسلامی رواداری ہی کا نتیجہ ہے کہ یہودی دیوار براق کے سامنے اپنی عبادت ادا کرتے ہیں۔ جس دور میں فلسطین پر برطانیہ حکمرانی کرتا تھا اس دور میں یہودیوں نے دیوار براق پر قابض ہونے کی بہت ساری کوششیں کیں یہاں تک کہ اگست ۱۹۲۹ میں براق 17 انقلاب رونما ہوا۔ اس انقلاب میں سینکڑوں عرب اور یہودی مارے گئے۔ اس کے نتیجے میں ایک بین الاقوامی کمیٹی تشکیل دی گئی تاکہ دیوار براق پر عربوں اور یہودیوں کے حقوق کی حدود کو متعین کیا جاسکے۔ سویڈن کے سابق وزیر خارجہ اس کمیٹی کے صدر تھے۔ اس کے دو رکن تھے جو سوئٹزر لینڈ اور ہالینڈ کے تھے۔ اس کمیٹی نے 1930 میں اپنی رپورٹ پیش کی جس میں کہا گیا کہ مغربی دیوار پر ملکیت کا حق صرف مسلمانوں کو ہی حاصل ہے، وہی اس دیوار کے تنہا حقدار ہیں کیونکہ وہ دیوار، حرم شریف کا ایک جز ہے اور حرم شریف مسلمانوں کا وقف ہے۔ دیوار براق اور المغاربہ بستی کے سامنے واقع چبوترہ اور فٹ پاتھ پر بھی مسلمانوں کا حق ہے، کیونکہ اسے اسلامی شریعت کے احکام کے مطابق وقف کیا گیا تھا[28]۔

شہر قدس میں بہت سے ایسے آثار ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ در حقیقت عرب شہر ہے۔ اسکا سب سے بڑا ثبوت شہر قدس کی فصیلیں اور دروازے ہیں جن کی تعمیر عہدہ یبوسی میں ہوئی تھی۔ اگرچہ ان فصیلوں کو کئی مرتبہ منہدم کیا جاچکا ہے اور بار بار تعمیر کیا گیا ہے لیکن یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ان فصیلوں کو سب سے پہلے یبوسیوں نے تعمیر کیا تھا۔ سب سے اخیر میں ان فصیلوں کی جدید کاری مسلمانوں نے کی ہے یہ کام عثمانی سلطنت سلیمان القانونی کے عہد میں ہوا۔ تھام کاسٹر اور اس کے ساتھی نے قمۃ تلتہ میں بھی کھدائیاں کیں۔ وہاں انہیں مشرقی جانب میں مضبوط دفاعی چیزیں نظر آئیں۔ کروفوٹ نے اسی علاقے کے مغربی جانب کھدائی کی وہاں سے ایک دروازہ ملا جس کے ارد گرد مضبوط دفاعی چیزیں موجود تھیں۔[29] ۱۹۶۷ میں شہر قدس پر براہ راست قابض ہونے کے بعد اسرائیلیوں نے حرم شریف کے سامنے جنوبی مغربی حصوں میں غیر قانونی کھدائیاں شروع کردیں۔ ان کھدائیوں کو ایغال، یادین، بنیامین اور میر بن دوف نے انجام دیا۔ ان کھدائیوں میں انہیں خلافت تو قع عہد اموی کے متعدد محل اور عہد بازنطینی کے کچھ آثار ملے۔[30]

اوپر دیے گئے دلائل سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہودی کبھی بھی مسجد اقصیٰ یا سر زمین فلسطین کے وارث نہیں رہے۔ اگر کسی طرح یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان اور حضرت داودؑ کے دور میں یہودی ریاست قائم رہی ہے تو اس حوالے سے یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ وہ اللہ کے نبی تھے اور اس وقت بنی اسرائیل ان کے ماننے والے یعنی مسلمان تھے۔ لہذا جتنے بنی اسرائیل ان کے وراثت کا دعوی کرتے ہیں اتنا ہی مسلمان بھی ان کے ماننے والے اور ان کی وراثت کے دعوی دار ہیں۔

فلسطین کی فتوحات اور آزادی کے حوالے سے تاریخی پس منظر:

جب بھی ہم مسجد اقصیٰ اور فلسطین کی فتوحات اور آزادی کے حوالے سے تاریخی پس منظر میں بات کرتے ہیں کہ اب تک مسجد اقصیٰ اب تک کیسے آزاد ہوئی تو یہ بات قابل غور ہے کہ مسجد اقصیٰ اور فلسطین جب بھی آزاد ہوئے، جہاد فی سبیل اللہ سے آزاد ہوئے۔ اور مختلف انبیائے کرام اور صلحائے عظام نے اس کو پورے محنت اور جانفشانی سے آزاد کروایا۔

مسجد اقصیٰ اور حضرت یوشع بن نون: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکال کر فلسطین لیکر پہنچے تو انہیں کہا: "اے میری قوم اس قوم کے خلاف جہاد کرو اور ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ"۔ مگر بانی اسرائیل کی اکثریت نے اس عمل سے انکار کردیا اور عرصہ دراز تک غلامی میں بھٹکتے رہے۔

قرآن مجید نے اس تفصیل کو یوں بیان فرمایا ہے۔

﴿يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ﴾[31]

ترجمہ: "اے میری قوم تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے خدا نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے داخل ہو جاؤ اور اپنی پیٹھوں کے بل نہ مڑ جاؤ ورنہ تم نقصان میں پڑ جاؤ گے"۔

اس وقت فلسطین میں ایک جابر قوم عمالقہ حکومت کرتے تھے۔ بنی اسرائیل اس سے ڈر گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو نہ مانا بلکہ یوں کہا کہ ﴿ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴾[32]

"(انہوں نے) کہا اے موسیٰ ہم کبھی وہاں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں، سو تو اور تیرا رب جائے اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔"

اس نافرمانی پر اللہ نے ان کو سزا دی اور وہ 40 سال تک جنگل میں مارے مارے پھرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو بنی اسرائیل میں مبعوث فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے بنی اسرائیل کے صالح لوگوں پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار کیا اور عمالقہ سے لڑنے کے لیے ارض مقدس جا پہنچے۔

مسجد اقصیٰ اور حضرت عمرؓ: رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے دور میں اس کو آزاد کروایا گیا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حضرت عبیدہ بن جراحؓ نے بیت المقدس کے مسیحی رہنماؤں کو خط لکھا انہیں اسلام کی دعوت دی اور بیت المقدس کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے کہا کیونکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان ہی اس کے حقیقی وارث ہیں۔۔انہوں نے کہا "میں ایک ایسی فوج لیکر تمہارے پاس آرہا ہوں جن کو موت اسی طرح عزیز ہے جس طرح تمہیں خنزیر کا گوشت اور شراب پسند ہے"۔ اہل یروشلم نے اسلام اور جزیہ کہ شرط کو ٹھکرا دیا اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ نے ایک لشکر جرار لے کر بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، یہاں تک کہ انہوں نے صلح کی درخواست کی اور شرط یہ رکھی کہ امیر المؤمنین خود تشریف لائیں۔ لہٰذا عمرؓ خود تشریف لے گئے اور ایک پر امن معاہدے کے ذریعے بیت المقدس فتح ہو گیا۔[33]

صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اور فتح بیت المقدس: انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد اقصیٰ کی آزادی کے حوالے سے شاندار کارنامہ سرانجام دیا۔ ان کے چہرے پر اکثر غم اور پریشانی کے آثار نمایاں رہتے تو کسی نے پوچھا اسکی وجہ کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا مجھے کیسے خوشی ہو سکتی ہے کہ کھانے اور سونے کی لذت حاصل ہو اور مسجد اقصیٰ صلیبیوں کے قبضے میں ہو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی خود بھی جہاد کی تیاری کرتے رہے اور مسلمانوں کو بھی تیار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ 583ھ/1187ء میں سلطان نے بیت المقدس مسجد اقصیٰ کو صلیبیوں سے آزاد کروایا اور وہاں کے لوگوں کو امان دے

دی گئی۔اس کے بعد عرصہ دراز تک صلیبی کوشش کرتے رہے مگر کامیاب نہ ہوسکے یہاں تک کہ 1924ء میں برطانیہ اس پر قابض ہوا اور پھر یہ سرزمین یہودیوں کے حوالے کردی گئی[34]۔یوں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک نئی کشمکش کا آغاز ہوا۔

مسجد اقصیٰ کی فضیلت:

مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے نزدیک انتہائی اہم مقام و مرتبہ کی حامل جگہ ہے۔قرآن وحدیث میں اس کی بہت زیادہ اہمیت بیان ہوئی ہے۔اس حوالے سے چند اہم مقامات جو اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں درج ذیل ہیں۔

سرزمین فلسطین برکت والی زمین: اللہ تعالیٰ قران مجید میں نے مسجد اقصیٰ اور اس کے ارد گرد جگہ کو خیر و برکت والی سرزمین قرار دیاہے۔قرآن مجید اس بات کو یوں بیان فرماتا ہے۔

﴿ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ﴾ [35]

ترجمہ: "اور ہم نے اس (ابراہیم) اور لوط کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے اہل عالم کے لئے برکت رکھی تھی۔"

معروف اہل علم کے مطابق اس برکت والی زمین سے مراد سرزمین شام و فلسطین ہے۔کیونکہ یہ بیت المقدس اور سرزمین انبیاء ہے۔

دوسری جگہ یوں فرمایا: ﴿ يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُم﴾ [36]

ترجمہ:" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ؛اے میری قوم تم ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے"۔

تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ۔ وَطُورِ سِينِينَ ۔ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾[37]

ترجمہ:"انجیر کی قسم اور زیتون کی۔اور طور سینین کی۔اور اس امن والے شہر کی قسم۔"

امام ابن کثیر فرماتے ہیں: یہ دراصل ان مقدس مقامات کی قسم ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے تین اولوالعزم پیغمبروں کو مبعوث فرمایا ہے۔پہلی جگہ بیت المقدس — حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسری جگہ طور سینا— حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تیسری جگہ مکہ مکرمہ— حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [38]

ترجمہ: "وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانۂ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک، جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کو بابرکت قرار دیا ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک ہزاروں انبیاء علیہم السلام نے اس مسجد میں نماز ادا کی بلکہ بعض اہل علم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا نبی نہیں آیا جو مسجد اقصیٰ نہ آیا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام اور انکی اولاد نے اسے تعمیر کیا۔ ابراہیم علیہ السلام اور انکی اولاد یہاں آباد ہوئی۔ جناب داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو یہاں حکومت عطا کی گئی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام بھی یہاں تشریف لائے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی یہاں تشریف لائے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی۔ امام بخاری نے لمبی حدیث بیان کی ہے حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے براق پر سوار کروا کر مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا۔ وہاں پر میں نے اسے باندھا جہاں پر باقی انبیاء علیہ السلام اپنی سواریاں باندھتے تھے۔ پھر میں نے مسجد میں دو رکعات نماز ادا کی۔ جبکہ بعض دوسری روایات میں آیا ہے کہ آپ نے ابنیاء علیہم السلام کو باجماعت نماز پڑھائی[39]۔

اس حوالے سے مسجد اقصیٰ میں نہ صرف باقی تمام انبیاء کرام نے نماز پڑھی بلکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نماز پڑھائی۔ لہذا اس سے یہ مزید برکت والی بن گئی۔ اور اس حوالے سے مسلمانوں کا استحقاق مزید بڑھ جاتا ہے۔ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری نے اس بات کو اپنی کتاب میں بطور دلیل بیان کیا ہے۔

"اللہ تعالیٰ اس اسلوب کے ذریعے یہ اشارہ فرمارہا کہ اب یہود کو نوع انسانی کی قیادت سے معزول کیا جانے والا ہے ۔کیونکہ انہوں نے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے جس کے بعد ان کو اس منصب پر باقی نہیں رکھا جاسکتا۔ لہٰذا اب یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو سونپا جائے گا اور دعوت ابراہیمی کے دونوں مراکز ان کے ماتحت کیے جائیں گے۔ بالفاظِ دیگر اب وقت آگیا ہے کہ روحانی قیادت ایک امت سے دوسرے امت کو سونپ دی جائے"۔[40]

مسجد اقصیٰ میں نماز کی فضیلت:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: المَسْجِدِ الحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَسْجِدِ الأَقْصَى.[41]

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے سوا کسی (اور مسجد) کی طرف (زیادہ ثواب کے حصول کی نیت سے) رختِ سفر نہ باندھا جائے۔''

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوُدَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَنَى بَيْتَ الْمَقْدِسِ سَأَلَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ خِلَالًا ثَلَاثَةً: سَأَلَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حُكْمًا يُصَادِفُ حُكْمَهُ فَأُوتِيَهُ، وَسَأَلَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ فَأُوتِيَهُ، وَسَأَلَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حِينَ فَرَغَ مِنْ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ أَنْ لَا يَأْتِيَهُ أَحَدٌ لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ فِيهِ أَنْ يُخْرِجَهُ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ[42]

ترجمہ: "جب سلیمان علیہ السلام مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ مجھے درست فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرما، مجھے ایسی حکومت دے جو بعد میں کسی کو نا ملے جبکہ تیسری بار کہا یا اللہ جو اس مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے آئے اسے ایسا بنا دے جیسا معصوم بچہ ہوتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ان کی پہلی دو دعاؤں کو قبول کر لیا اور مجھے امید ہے کہ اللہ نے ان کی تیسری دعا بھی قبول کی ہے"۔

مسجد اقصیٰ میں دجال کا داخلہ ممنوع ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے تمھیں مسیح دجال سے ڈرایا تھا اور وہ خراب پچسی ہوئی آنکھ والا ہے، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے بائیں آنکھ کے متعلق کہا، اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہریں چل رہی ہوں گی اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ زمین میں چالیس دن رہے گا اور صرف چار مسجدوں کو چھوڑ کر وہ ہر جگہ پر جائے گا، وہ چار مسجدیں یہ ہیں، مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصی اور مسجد طور"۔[43]

مندرجہ بالا احادیث وآثار اور تاریخ اسلام اس بات کے گواہ ہیں کہ مسلمانوں کا مسجد اقصیٰ سے ایک تعلق ہے اور اس تعلق کو ثابت کرنے کے لیے ہمیں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

مسجد اقصیٰ پر یہود کا دعویٰ ملکیت کا جائزہ:

مسلمانوں کو مسجد اقصیٰ کی تولیت کا حق حالات وواقعات کے نتیجے میں نہیں، بلکہ شریعت کے کسی باقاعدہ حکم کے تحت ملا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی استدلال یہ ہے کہ چونکہ یہود انبیا کے قتل، عہد شکنی، تحریف آیات اور کتمان حق کے مجرم ہیں اور اس جرم کی پاداش میں انہیں دنیا کی رہنمائی اور فضیلت علی العالمین کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے، اس لیے انبیاء کی سرزمین اور ان کی قائم کردہ عبادت گاہ پر بھی ان کا کوئی حق باقی نہیں رہا اور جس طرح انبیا کے مشن کی وراثت امت مسلمہ کو منتقل ہو گئی ہے، اسی طرح مسجد اقصیٰ کی ملکیت وتولیت کا حق بھی یہود سے چھن کر ان کو منتقل ہو گیا ہے۔

مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کے حق تولیت کے حق میں سب سے اہم شرعی دلیل سورۃ توبہ اور سورۃ الانفال کی وہ

آیات ہیں جن میں اللہ تعالی بات کو کھلے انداز میں واضح کیاہے-اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے :

﴿وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾[44]

ترجمہ: "اوران میں کیا بات ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے، حالانکہ وہ مسجدِ حرام میں آنے سے لوگوں کو روکتے ہیں، جبکہ وہ اس پر تولیت کا حق بھی نہیں رکھتے۔ اس کی تولیت کا حق تو صرف پرہیزگاروں کا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔"

پھر سورۃ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ - إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾[45]

ترجمہ: "مشرکین کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے مجاور و خادم بنیں، درآں حالیکہ اپنے اوپر وہ خود کفر کی شہادت دے رہے ہیں۔ ان کے تو سارے اعمال ضائع ہوگئے اور جہنم میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ کی مسجدوں کے آباد کار (مجاور و خادم) تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، انہی سے یہ توقع ہے کہ وہ سیدھی راہ چلیں گے"۔

مسلمانوں کے حق تولیت کے متعلق یہ بالکل واضح آیات ہیں۔ ان آیات میں جو خصوصیات وانجام مشرکوں کا بتایا گیا ہے، اس کا اطلاق اہل کتاب یہود پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ یہودی مشرکین کی طرح اپنے کفر کی شہادت دے رہے تھے، وہ اگرچہ اللہ کو مانتے ہیں اور بعض الہامی کتب پر یقین رکھتے ہیں مگر اسلام نہ لانے کی وجہ سے ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ مشرکوں کی طرح ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بات تو تسلیم شدہ کہ وہ سیدھی راہ پر نہیں ہیں۔ ان مشترک باتوں کی وجہ سے مسجد حرام اور مشرکوں کے معاملے کا اطلاق یہود اور مسجد اقصیٰ پر ہوتا ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ مسجد اقصیٰ پر نہیں ہے، ہیکل سلیمانی پر ہے، قرآن مجید نے مسجد اقصیٰ کی بات کی ہے، ہیکل کا ذکر نہیں کیا۔ یہ آیات کو ایک طرح سے مسلمانوں کے حق تولیت کے متعلق نص ہیں۔ بالفرض ان آیات میں مسجد اقصیٰ کا صریح ذکر نہ ہونے کی وجہ سے اگر بعض حضرات اس کے غیر منصوص ہونے پر اصرار کریں، تب بھی مندرجہ بالا آیات ایسے غیر منصوص مسئلہ کے متعلق بنیادی اُصول فراہم کرتی ہیں۔ قرآنِ مجید کے متعدد اُصولوں کی روشنی میں جب سینکڑوں غیر منصوص مسائل کا حکم لگایا جاسکتا ہے، تو

ان واضح تر اُصولی آیات کی روشنی میں مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کے حق تولیت کو تسلیم کرنے میں آخر کون سا امر مانع ہو سکتا ہے؟

مندرجہ بالا آیات کے علاوہ علمائے اسلام نے قرآن مجید میں پیش کردہ واقعات مثلاً واقعہ معراج، تحویل قبلہ وغیرہ سے بھی مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا حق تولیت اخذ کیا ہے۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی "سیرت النبیؐ" میں واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورۃ کے جلی عنوانات کیا ہیں: یہ اعلان کہ آنحضرت ﷺ نبی القبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں۔ یہود جو اب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اس کے نگہبان و کلید بردار بنائے گئے، ان کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسبِ وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہے اور آلِ اسمٰعیل کو ہمیشہ کے لئے اس کی خدمت گزاری سپرد کی جاتی ہے... آپ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا۔ یہی وہ نکتہ تھا جس کے سبب آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس، دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اس لئے معراج میں آپ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیا کی صف میں آپ کو امامت پر مامور کیا گیا تا کہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکارِ محمدیؐ کو عطا ہوئی ہے۔"[46]

پھر آپ تحویل قبلہ کو یہود کے حق تولیت کی معزولی کا حکم نامہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے اور اس کی تولیت اُمتِ محمدیہ کا حق تھا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو اس تولیت کی بشارت دی تھی اور فرمادیا تھا کہ میری موت کے بعد یہ واقعہ پیش آئے گا۔"[47]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں": واقعہ معراج کی طرف اشارہ جس میں حقیقت ... کہ اب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں گھروں کی امانت خائنوں اور بدعہدوں سے چھین کر نبی اُمیؐ کے حوالہ کی گئی۔ اب یہی ان مقدس گھروں اور ان کے انوار و برکات کے وارث اور محافظ و امین ہوں گے اور ان کے قابضین... مشرکین قریش و یہود عنقریب ان گھروں کی تولیت سے بے دخل کردیئے جائیں گے۔"[48]

اسی طرح قرآن حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بارے میں بیان کرتے ہوئے یھود کے اس دعوی کی نفی کرتا ہے کہ وہ یہودی تھے۔ ارشاد ربانی ہے

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [49]

ترجمہ: "ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی وہ مسلمان حق پرست اور باطل سے کنارہ کش تھے اور وہ مشرکین میں سے ہر گز نہیں تھے۔"

یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہود اپنے آپ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے قرار دیتے ہیں: ان کا لقب اسرائیل تھا اور انہوں نے اپنی ریاست کا نام بھی اسی لیے اسرائیل رکھا اور ہم اس کے وارث ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾[50]

ترجمہ: "اور ابرہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا ہے تو مسلمان ہی مرنا".

یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ اللہ تعالی کے کسی نبی نے یہودیت اور عیسائیت کی دعوت نہیں بلکہ اسلام کی دعوت دی ہے۔ یہودی نام انہوں نے خود رکھا اللہ نے انہیں یہ نام نہیں دیا اور نہ ہی قرآن مجید میں انہیں ایسا کہا۔ اس وقت جو لوگ اپنے آپ کو یہودی کہلواتے ہیں یہ یورپ اور روس سے آئے ہوئے ہیں اور فلسطینی مسلمانوں کی زمین پر قابض ہیں۔

یہود اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم قرار دے کر ساری دنیا پر حکمرانی کا دعوی کرتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ﴾[51]

ترجمہ: اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بداعمالیوں کے سبب تمھیں عذاب کیوں دیتا ہے۔

اور مزید فرمایا:

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾[52]

ترجمہ: "کہہ دو کہ اے یہود اگر تم کو دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو"۔

جواب میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴾[53]

ترجمہ: "اور (آخرکار) ذلت (ورسوائی) اور محتاجی (وبے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ (یعنی) یہ اس لیے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے"۔

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾[54]

ترجمہ: "ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور پیغمبر (آخرالزمان) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور خدا مومنوں کا کارساز ہے".

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾[55]

ترجمہ: "اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے".

اسی طرح قرآن مجیدنے ایک دوسرے انداز سے بھی اس کو ذکر کیاہے

﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا..﴾[56]

ترجمہ: "اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات بتلادی تھی کہ تم سرزمین میں دوبارہ خرابی کروگے اور بڑا زور چلانے لگوگے پھر جب ان دوبار میں سے پہلی بار کی میعاد آوے گی ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا۔ پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ کردیں گے اور مال اور بیٹوں سے ہم تمہاری امداد کریں گے اور ہم تمہاری جماعت بڑھادیں گے۔ اگر اچھے کام کرتے رہوگے تو اپنے نفع کے لیے اچھے کام کروگے اور اگر تم برے کام کروگے تو بھی اپنے ہی لیے۔ پھر جب پچھلی بار کی میعاد آوے گی ہم پھر دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ تمہارے منہ بگاڑدیں اور جس طرح وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ بھی اس میں گھس پڑیں اور جس جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کرڈالیں۔ عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرماوے۔ اور اگر تم پھر وہی کروگے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کا جیلخانہ بنا رکھاہے۔ بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتاہے جو بالکل سیدھاہے اور ان ایمان والوں کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں یہ خوشخبری دیتاہے کہ ان کو بڑا بھاری ثواب ملے گا اور یہ بھی بتلاتاہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے ایک دردناک سزا تیار کررکھی ہے"۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دومرتبہ یہود پر ان کی نافرمانیوں کے سبب اپنے سخت عذاب کا ذکر فرمایاہے۔ پھر اللہ رب العزت نے انہیں ایک موقع دیتے ہوئے مزید فرمایا(عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ) "قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے۔" "لیکن اگر تم نے پھر وہی روش اختیار کی تو ہم بھی تمہارے ساتھ ویساہی سلوک کریں گے جیساکہ پہلے کرچکے ہیں۔ اس بیان کے بالکل متصل اللہ رب العزت نے قرآن کریم کا ذکر فرمایا ہے۔ سیاق و نظمِ کلام کا تقاضایہی ہے کہ یہود کے لیے وعدہ رحمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔

آئمہ مفسرین اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔

(عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ) کی تفسیر میں قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور قرآن کا اتباع کرتے ہوئے اپنے اعمال درست کر لوگے تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا[57]۔

مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی لکھتے ہیں:

"عسیٰ ربکم کا اشارہ یا تو آنحضرت ﷺ کے عہد کے یہود کی طرف ہے کہ اب بھی وقت ہے اگر تم نے نبی آخر الزماں علیہ السلام کی اطاعت کرلی تو خدا پھر تم پر رحم کرے گا تمہارا برگشتہ زمانہ جا کر بھلے دن آجائیں گے اور اگر پھر بھی وہی شرارت کروگے تو دنیا میں ہم تم پر کوئی تازہ آفت لائیں گے اور آخرت میں تو جہنم منکروں کا جیل خانہ تیار ہے۔ یہود نے آنحضرت ﷺ سے شرارت کی اور بھی رہی سہی عزت جاتی رہی۔ دنیا بھر میں ایک انچ زمین کے بھی حاکم نہیں جہاں کہیں ہیں محکوم وذلیل ہیں یا یہ اسی وقت کے یہود کی طرف اشارہ تھا جس کو حکایت کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہود بخت نصر کے حادثہ کے بعد کچھ نیکی کی طرف آئے شان وشوکت بھی عود کرنے لگی، مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں پھر شرارت کی جس کے وبال میں طیطس شاہِ روم کے ہاتھ سے ان کا ستیاناس ہو گیا"[58]۔

اسی طرح یہودی یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ ہیکل سلیمانی کی جگہ بنائی گئی ہے۔ یہ دعویٰ بھی سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس مسجد اقصی کو قبلہ اول چنا آدم علیہ السلام نے اسکی تعمیر کی جبکہ سلیمان علیہ السلام نے اسکی تجدید کی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مسجد قرار دیا دیا۔ جبکہ یہود کے ہاں مسجد کا کوئی تصور نہیں۔ ان کے ہاں معبد یا ہیکل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾[59]

ترجمہ: "اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو کلیسے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا بیشک اللہ زبردست غالب ہے"۔

یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ سلام نے ہیکل سلیمانی تعمیر کیا تھا جبکہ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر مسجد اقصی تعمیر ہوئی تھی جو کہ مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ اور اس کے مسجد ہونے کی دلیل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

إِنِّي سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يَقُولُ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَوَّلِ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ «الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ» قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى» قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: «أَرْبَعُونَ عَامًا»[60]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کے اے اللہ کے رسول ﷺ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام یعنی بیت اللہ۔ پھر پوچھا اس کے بعد، تو آپ ﷺ نے فرمایا مسجد اقصیٰ۔ پھر پوچھا ان دونوں مساجد میں کتنا عرصہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "چالیس (40) سال''

اہل علم اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا اور اس کے 40 سال بعد حضرت آدم علیہ السلام یا ان ہی کی اولاد نے مسجد اقصیٰ کو تعمیر کیا۔

تاریخ اعتبار سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی اور ان کے اور سیدنا ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے جو مسجد حرام کے معمار تھے، کئی صدیوں کا فاصلہ ہے جبکہ روایت میں دونوں مسجدوں کی تعمیر کے درمیان صرف چالیس سال کا فاصلہ بتایا گیا ہے مابین علمائے حدیث کے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کے مقام کی تعیین تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمادی تھی اور مذکورہ روایت میں اسی کا ذکر ہے، جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے صدیوں بعد اسی جگہ پر ہیکل سلیمانی کو تعمیر کیا۔ اس لحاظ سے ان کی حیثیت ہیکل کے اولین بانی اور موسس کی نہیں بلکہ تجدید کنندہ کی ہے۔[61]

یعنی ان کے تمام دعوے جھوٹ، عداوات اور پروپیگنڈوں پر مبنی ہیں اور ان کو عالمی طاقتوں کی حمایت حاصل ہے۔ حضرت ابراہیم کی طرح، حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کے اصل ورثا اور جانشین مسلمان ہیں نہ کہ یہود ونصاریٰ۔ اگر حضرت سلیمان نے مسجد اقصی کی تعمیر کی بھی تھی تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ اب یہ مسجد کافروں کی عبادت گاہ بن گئی ہے۔ حضرت سلیمان کے دور میں موجود بنی اسرائیل مسلمان تھے لہذا اس بنیاد پر اس مسجد کے وارث بھی تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے بغض اور کینہ رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے آج کل کے یہودیوں کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے بلکہ ان کے کفر پر امت کا اجماع ہے۔ لہذا مسجد اقصی جو کہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے اس پر ایک کافر قوم کا حق کیسے جتایا جاسکتا ہے؟۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ مسجد اقصی پر یہود کا حق ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو بھی محمد ﷺ کی رسالت کا انکاری ہو وہ حضرت موسی اور تورات کا بھی انکاری ہے کیونکہ دونوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی آمد اور ان کی علامات کی خبر دی ہے۔ لہذا ایسا یہودی جو کہ اللہ کے رسول ﷺ کو نہ ماننے کے ساتھ تورات اور حضرت موسی کی بات بھی ماننے سے انکار کردے وہ تو

اپنے دین ،اپنے نبی اور اپنی کتاب کا بھی انکاری ہے اور ایسا یہودی مسجد اقصی کا وارث کیسے ہو سکتا ہے ؟

یہ تینوں مراکز اسلام کی جامعیت اور عالمگیریت کی وجہ سے مسلمانوں کو کسی کے دینے یا کہنے سے نہیں ملے بلکہ خدا کی طرف سے عطا ہوئے اور انہی کے قبضہ و تصرف میں دیے گئے ہیں جن میں کسی غیر کے دخل یا قبضہ کا از روئے اصول کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔...... حجاز میں مشرکین ملت ابراہیم کے نام سے عرب پر قابض و متصرف تھے لیکن جب انہوں نے شعائر اللہ کی جگہ بے جان مورتیوں اور پتھر کے سنگ دل خداؤں کو جگہ دے دی.... تو سنت اللہ کے مطابق قبضہ تبدیل کر دیا گیا۔.... شام کی مقدس سرزمین بلاشبہ اولاً یہود کو دی گئی اور فلسطین ان کے حصہ میں لگا دیا گیا جیسا کہ قرآن نے 'کتب اللہ لکم' سے اس کا انہیں دے دیا جانا ظاہر کیا ہے لیکن انہوں نے عہد شکنی کی اور خدائی تعلیمات سے منہ موڑ کر الٰہی میثاق کو توڑ ڈالا۔...ان حرکات کے انتہا کو پہنچ جانے پر حق تعالیٰ نے انہیں بیت المقدس کی تولیت اور اس ملک کی ملکیت سے محروم کر کے ان پر نصاریٰ کو مسلط کیا چنانچہ بعثت نبوی سے تین سو سال پہلے نصاریٰ شام اور فلسطین کی ارض مقدس پر قابض ہو گئے۔..... لیکن اقتدار جم جانے کے بعد ردعمل شروع ہوا اور بالآخر وہ بھی قومی اور طبقاتی رقابتوں میں مبتلا ہو کر اسی راہ چل پڑے جس پر یہود چلے تھے۔... صخرہ معلقہ کو جو یہود کا قبلہ تھا، غلاظت کی جگہ قرار دیا اور اس کی انتہائی توہین شروع کر دی۔ محض اس لیے کہ وہ یہود کا قبلہ تھا، اس پر پلیدی ڈالی اور اسے مزبلہ (کوڑی) بنا کر چھوڑا۔... ظاہر ہے کہ شعائر الٰہیہ اور نشانات خداوندی کی توہین کے بعد کوئی قوم بھی پنپ نہیں سکتی اس لیے بالآخر نصاریٰ کا بھی وقت آ گیا۔ ان کا اقتدار یہاں ختم ہوا اور حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ دے کر انہیں بیت المقدس کا متولی بنایا۔[62]

اسی طرح اس بات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ یہودی ۱۹۴۸ سے اس جگہ کے وارث ہیں تو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر ان تمام سالوں کو جمع کیا جائے جو یہودیوں نے حملے کرتے اور تباہی پھیلاتے ہوئے فلسطین میں گزارے تو اتنی مدت بھی نہیں بنے گی جتنی انگریز نے ہندوستان میں یا ولندیزیوں نے انڈونیشیا میں گزاری۔ اگر اتنی مدت گزارنے پر کسی کو کسی سرزمین پر تاریخی حق حاصل ہو جاتا ہے تو انگریزوں اور ولندیزیوں کو بھی اس قسم کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔اور اگر غربت کی حالت میں ایک طویل عرصہ کسی علاقہ میں گزارنے سے اس زمین پر ملکیت کا حق ثابت ہوتا ہے تو پھر یہودیوں کو چاہئے کہ وہ فلسطین کی بجائے، جس میں ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد نے تقریباً ۲۰۰ سال گزارے اور جہاں وہ دو افراد آئے تھے، لیکن ۷۰ افراد نکل کر گئے، مصر کی ملکیت کا مطالبہ کریں جس میں انہوں نے ۴۳۰ سال گزارے۔یہودیوں کا فلسطین پر تاریخی حق کا دعویٰ بالکل لغو

ہے۔ صحیفوں کی تصریح کے مطابق وہ محض اجنبیوں کی طرح رہے تو کیا کسی اجنبی یا راہ گیر کو یہ حق ہے کہ وہ اس زمین پر جس نے اس کو ذرا پناہ دے دی یا اس درخت پر جس نے اس کو تھوڑی دیر سایہ فراہم کر دیا، اسی وجہ سے ملکیت کا حق جتا دے کہ اس نے گھڑی کی گھڑی وہاں ستالیا ہے۔

عصر حاضر میں مسجد اقصیٰ کی آزادی کا طریقہ کار:

مسجد اقصیٰ، اور فلسطین کی آزادی کیسے ممکن ہے اور یہ کہ بیت المقدس پہ یہود کے قبضے کی اصل وجہ کیا ہے؟ تو اس کی بنیادی وجہ یہود کے مظالم کے پیچھے عالمی طاقتوں کی پشت پناہی اور دوسری وجہ امت مسلمہ کی بے رخی ہے، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ڈیڑھ ارب مسلمان دنیا میں چند لاکھ یہودیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ یہ سوائے ایمانی ،دینی، ملی و قومی حمیت کی کمزوری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ مسجد اقصی کی آزادی کے حوالے سے کچھ اہم سفارشات اور تجاویز درج ذیل ہیں۔

دین پر مکمل عمل: مسجد اقصیٰ کی آزادی کے حوالے سے پہلا اور بنیادی نقطہ دین پر مکمل طور پر اس کی روح کے مطابق عمل کرنا ہے۔ کیونکہ یہ سیاسی نہیں دینی اور ایمانی مسئلہ ہے۔ اس لیےامت کے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ صاحبِایمان ہونے کا ثبوت اپنے عمل سے دے کیونکہ ایمان مجرد قول وقرار کا نام نہیں ہے بلکہ عمل بالجوارح سے ثبوت کا تقاضا بھی کرتا ہے کیونکہ جب تک دین پراس کی روح کے مطابق عمل نہیں ہو گا اس وقت تک اللہ تعالی کی احکامات کی انجام دہی نامکمل اور ثانوی رہے گی۔ جیسا کہ قوم موسی علیہ السلام نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑو۔ اس لیےامت مسلمہ کی افراد کی تربیت جب تک عین فرامین الہی کی مطابق نہ ہو گی اس وقت تک مسجد اقصی کا مسئلہ سمجھنا اور اس کے لیےآواز کو بلند کرنا ناممکن ہی نظر آتا ہے جبکہ اس کی ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کی گارنٹی بھی دے رکھی ہے کہ اگر وہ پورے مومن ہوں گے تو کامیاب ہونگے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَأَنْتُمُ الأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[63]

ترجمہ:" اور تم ہے غالب ہو گے اگر تم ایمان والے ہو"۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾[64]

ترجمہ: "اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے جو ایمان والے ہیں اور نیک اعمال کرنے والے ہیں کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو دی"۔

اسلام میں کسی بھی کامیابی کی بنیادی شرط ایمان اور عمل صالح ہے جس کی کمی کا آج ہم سب سے زیادہ شکار ہیں۔ اگر ہم کامیابی چاہتے ہیں تو پھر سے مضبوط ایمان، توکل علی اللہ اور عمل صالحہ والے راستہ کو اختیار کرنا ہوگا۔

اتحاد امت: مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے امت مسلمہ کا اتحاد قائم کیا جائے۔ بد قسمتی کے ساتھ امت آج افتراق وانتشار کا شکار ہو چکی ہے اس افتراق وانتشار کا سبب مذہبی فرقہ پرستی، علاقائی حدود، رنگ ونسل اور ترجیحات کا مختلف ہونا ہے۔ اسلام جن بنیادی اخلاقیات کی دعوت دیتا ہے وہی بد قسمتی سے امت میں اختلاف کا سبب بنی ہوئی ہیں، جبکہ اس کے مقابلے میں کفر ملة واحد کی مثال اور امتِ محمدیہ خلاف متحد نظر آرہا ہے-اسی لیے مجموعی طور پر پورے عالم میں اس وقت مسلمان ہر جگہ اذیت کا شکار ہیں۔ یہود کی آبادی کو اگر دیکھا جائے تو وہ کسی بھی مسلمان ملک سے اس کی رقبے اور آبادی کے لحاظ سے انتہائی کم ہے لیکن اس کے باوجود صرف فلسطین میں وہ مسلمانوں پر جو ظلم وستم کر رہے ہیں ناقابل بیان ہے- اس لیےاللہ تعالی نے قرآن مجید میں امت کو متحد ہونے کی تلقین کی ہے اور یہی راستہ ہے قدس کو آزاد کروانے کا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[65]

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور آپس میں تفرقے میں نا پڑو۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾[66]

ترجمہ: اے ایمان والو جب تمہارا کفار کے کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

مظلوموں کی ہر طریقے سے مدد: مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے ایک ضروری بات یہ بھی ہے کہ فلسطینی مسلمانوں کی ہر طرح سے اخلاقی، مالی، سیاسی سطح پر مدد کی جائے۔ کیونکہ یہ نہ صرف مذہبی بلکہ نام نہاد اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق انسانی حقوق کا دفاع ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اقوام متحدہ نے صرف انہی جگہوں پر انسانی حقوق کی بات یا اس کا دفاع کیاہے جہاں کفر کا ساتھ مقصود ہو جبکہ مسلمانوں کے حوالے سے اقوم متحدہ کا کردار بہت مایوس کن ہے۔ اس لیےامت پر لازم ہے کہ اللہ تعالی کے فرامین کو کماحقہ پورا کرے اور جہاں جہاں مسلمان مظلوم ہیں ان کی مدد کا ہر فورم پر نہ صرف بندوبست کرے بلکہ ان کی مدد اس انداز میں کی جائے جس سے امت کا اتحاد مضبوط ہو کیونکہ اس کی تاکید اللہ تعالی نے مختلف انداز سے کی ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾[67]

ترجمہ: "اور جب دین میں تم سے مدد طلب کریں تو تم پر لازم ہے ان کی مدد کرو"۔

(جمہور اہل علم کے نزدیک مسلمانوں کی مدد ہی دراصل دین اسلام کی مدد ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی بہترین تعبیر فرماتے ہوئے یوں فرمایا:

«مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ۔ »[68]

ترجمہ: "جو دنیا میں کسی مومن کی تکلیف کو دور کرتا ہے ۔اللہ تعالیٰ آخرت مین اس کی تکلیف کو دہر کرے گا۔ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے لئے آسانی پیدا کرے گا اللہ تعالی اس کے دنیا اور آخر ت میں آسانی پیدا کرے گا۔ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کا دنیا میں پردہ رکھے گا اللہ تعالٰی دنیا آخرت میں اس کا پردہ رکھے گا۔ جب تک مسلمان اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ اسکی مدد میں لگا رہتا ہے"۔

جہادی قوت تیار کی جائے: مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے ایک اہم ترین بات جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی تیاری بھی ہے۔ جہاد کی قوت تیار کیے بغیر بیت المقدس کی آزادی خام خیالی ہے۔اس لیے کہ قرآن وحدیث اور ہمارے تاریخ یہی بتاتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾[69]

ترجمہ: "اور جہاں تک ہوسکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی۔ اور تم جو کچھ راہ اللہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا"۔

عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُولُ: "﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾(الأنفال:60)، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ۔ "[70]

"عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا: (اور انکے لیے مقدور بھر قوت تیار رکھو)، خبردار یقینا قوت (سے مراد) نشانہ بازی ہے، خبردار یقینا قوت نشانہ بازی ہے، خبردار یقینا قوت نشانہ بازی ہے"۔

اس تناظر میں سب سے پہلے ذمہ داری امت مسلمہ کی حکمرانوں کی ہے اس کے بعد اگر وہ یہ کام نہ کریں تو امت کے علماء اور صلحاء اس کام کا ذمہ اٹھائیں گے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ، فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ، فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ: يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللهِ هَذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ، إِلَّا الْغَرْقَدَ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ-[71]

ترجمہ: "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ مسلمان یہودیوں کے خلاف نہیں لڑیں گے۔ یہاں تک کہ یہودی درخت اور پتھر کے پیچھے چھپے گا اور وہ پتھر اور درخت پکار کر کہے گا اے مسلمان یہودی میرے پیچھے چھپا ہے اس کو قتل کرو، سوائے 'غرقد' کے کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے"۔

یہاں تک کہ یہودی پتھروں اور درختوں کی پناہ لیں گے۔ یہودیوں کا یہ عبرتناک انجام مسلمانوں کے ہاتھوں ہونا ہے۔ اور دلچسپ بات یہی ہے کہ یہود کو اس حدیث رسول کی صداقت کا اتنا یقین ہے کہ غرقد نامی درخت ان کا قومی درخت ہے اور سب سے زیادہ اسرائیل میں اسی کو کاشت کیا جاتا ہے۔

مسجد اقصیٰ امت مسلمہ کے اہم ترین اور پرانے ترین مسائل میں سے ایک ہے۔ اس کے حل کے لئے یہ چند ایک تجاویز یا پھر کوششیں تھیں لیکن معاملہ تجاویز اور زبانی جمع خرچ سے بہت آگے نکل چکا ہے۔ تلخ حقیقت یہ ہے کہ وقت گرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اس مسئلہ کے بارے میں شعور اور احساس ذمہ داری کی کمی ہو رہی ہے جو کہ امت مسلمہ کی بالواسطہ ناکامی اور یہودیوں کی بلا واسطہ کامیابی ہے۔ اس حوالے سے عرب ریاستوں میں اسرائیل کا بڑھتا ہوا اثر و نفوذ اس ی واضح کامیابی ہے۔ بہت ساری عرب ریاستوں کے اس کے تجراتی، سیاسی اور معاشی تعلقات قائم ہیں جبکہ بہت ساری مسلم ریاستیں درون خانہ تعلقات بنانے کی کوششوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ یہ با ت بھی دیکھنے میں آ ہی ہے کہ مسلم ممالک کے تعلیمی اداروں میں ایک وقت تک جو اہل فلسطین کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جاتا تھا اس میں بھی کمی آرہی ہے۔ عصر حاضر میں یہودیوں کوششوں کی وجہ سے مسلم ممالک کے میڈیا میں وہ جوش و خروش باقی نہیں رہا۔ یہاں تک پاکستان میں مسئلہ فلسطین کی حمایت میں قومی اور حکومتی سطح پر نمایا ں کمی آ ہی ہے۔ جو کہ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے اچھا شگون نہیں ہے۔ جبکہ پاکستان بننے پر اہل فلسطین نے بھرپور مدد خوشی اور جشن کا اظہار کیا تھا اور اس کے بدلے میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے فلسطین کی بھرپور مدد اور حمایت کا اعلان کیا تھا اور فلسطیں کے جدو جہد آزادی کو پاکستان کی خارجہ پالیسی کا اہم ترین ستون قرار دیا تھا۔

نتائج وسفارشات:

تمام انبیاء کا دین ایک ہے اس اعتبار سے مسلمان ہی مسجد اقصیٰ کے اصل وارث ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ عہد حاضر میں یہود ہمیشہ کی طرح اپنی دسیسہ اندازیوں اور مکاریوں کے ذریعے

دنیا کو یرغمال بنائے ہوئے ہیں۔اور اس تمام تر کوششوں میں بہت سارے مسلمان کم علمی یا نادانی کی بناء پر ان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ مسجد اقصیٰ کی اہمیت وفضیلت اور تاریخ سے مسلمانوں کو روشناس کروایا جائے تاکہ وہ کسی بھی طرح کے پروپیگنڈے کا شکار نہ ہو جو یہود کی طرف سے کیا جارہا ہے۔اسی طرح امت مسلمہ کے رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ امت کو جمع کرکے اس مسئلہ کو اقوام متحدہ میں اجاگر کریں اور رکھیں۔نسل نو کو مسجد اقصیٰ سے متعارف کروانے کے لیے ضروری ہے کہ اس مضمون کو سلیبس کا حصہ بنایا جائے۔فکری طور پر مسلمانوں کو اس مؤقف پر مضبوط اور بہتر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ آنے والے نسلوں کو اپنے ورثے کا بتا سکیں۔علماء اور خطباء سے گذارش کی جائے کہ وہ واقعہ معراج کے بیان کے ساتھ مسجد اقصیٰ کی اہمیت وتاریخ کو اپنے وعظ ونصیحت میں شامل کریں۔مسجد اقصیٰ کے مسئلے پر باقاعدہ حکومتی سطح سے آگاہی مہم کا آغاز کیا جانا چاہیے جس کو مختلف سیمینارز کانفرنسز اور دنوں کے اعتبار سے ترتیب دیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح یہ بھی سفارش کی جاتی ہے کہ فلسطین کی تاریخ کو عالمی فورم پر اجاگر کیاجائے اور اس کے لیےتمام جدید وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔ امت مسلمہ کے نوجوانوں میں خاص طور پر فلسطین کی تاریخی اور موجودہ صورتحال کو واضح کیا جائے۔ جن علاقوں میں یہودی بستیاں قائم کی جارہی ہیں ان علاقوں کی جغرافیائی حدود، ناموں اور مسمار اسلامی شعائر کو تاریخی اعتبار سے محفوظ کیاجانا چاہیےاسکے ساتھ ساتھ پاکستان کا فلسطین کے ساتھ ایک مذہبی اور برادرانہ تعلق اس حوالے سے پاکستانی وزارت خارجہ اس مسئلے کو مختلف فورمز پر اٹھائے۔

حوالہ جات

References

1. It refers to Solomon's Temple
2. Khoroj , 25-31
3. Khoroj 20-40
4. It refers to Bible
5. Torah
6. Tabot e Sakina
7. Samuel
8. Tawarikh, 2:1:3

9. Zafar Islam Khan, Tarikh e Palestine al Qadim, Beirut, Darul A’afais
10. Kathleen M. Kenyan, Archaeology in the Holy Land, p 117
11. Saihonin Tehrik
12. A yahood wa al yahood fi nazar al shoaoob al a’alam,
13. Arnold William, The Palestine , Oxford University Press, 1929, p 324
14. Arie, Bober, The other Israel, the Radical case against Zionism, New YOurk, Anchor Books, 1972, p 32
15. Jorji Kana’an, wasiqa al honia fi al a’ahad al qadim, Beirut, darul iqra
16. A honia al harakat al a’asfaria, abhas maotamir Trabla hawl al honia al a’asfaria, July 2019, Beirut, al Maossasat al Arabia lil dirasat wa al nashar
17. Moron Berventisti, Jerusalem: The Iron City, Jerusalem Isratypeset, 1976, p 108,109
18. Yousuf Kamil Ibrahim, Al qudas wa jidar al fasal al a’asfaria, al moatamar al dowali li nasartul qudas
19. Zanani, Anwar Muhammad, Qudas ko yahoodi Shahar banana ki koshish, Ifa Publications, Delhi
20. Suliman Abu Sata, istia’adah jughrafia Falastin al mughbita al Arabi
21. It refers to Diwar e Barq
22. Mujallah Ya’oot ahar wa na’oot
23. Zanani, Anwar Muhammad, Qudas ko yahoodi Shahar banana ki koshish, Ifa Publications, Delhi
24. Mujallat al Qudas al Arabi

25. Al hoodia al ma'amiria wa asariha fi tahdid al hawi al siasia li madina al qudas al badia' al Abid
26. F E Peters, Jerusalem the holy city in the eyes of the chroniclers, visitore, pilgrim and proiphets from the day of Abraham to the beginnings of modern time, Princeton University Press, 1985, p 484-487
27. Ibid
28. Ibid
29. Frederick Jones Bliss, Excavations at Jerusalem, London Committee of Palestine explorations Funds, 1998, p 113
30. Al tafrir al fanni wa al qanoni , dairatul asar al urdania, Umman
31. Al Maida: 21
32. Al Maida:24
33. Ibn e Kathir, Abu al Fida, al Bidaya wa al nihaya, dar ayha al turath al Arabi, 1988
34. Ibn e Aathir, Muhammad bin Muhammad bin Abdul Karim, al Kamil fi al Tarikh, darul kitab al Arabi, Beirut, 1417h
35. Al Anbia: 17
36. Al Maida:21
37. Al Teen:1-4
38. Al Isra:1-15
39. Al Bukhari, Muhammad bin Ismail, Sahih al Bukhari, bab al mia'raj, daru Tawq wa al Nijat, 1422h, hadith no 3887

40. Mubarak Puri, Moalana Safi ur Rehman, al Rahiq al Makhtoom, maktaba Salfia, Lahore, 2000, p 203
41. Sahih Bukhari, kitabul juma'a, hadith no 1189
42. Nisai Ahmad bin Shoib, Sunan al Nisai, Fazal al masjid al Aqsa wa al salat fiha, maktab al matboa't al Islami, Halab, 1986, hadith no 2693
43. Masnad Ahmad, Masnad Abdullah bin Masood, Hadith no 23139,
44. Al Anfal: 34
45. Al Toba: 17,18
46. Shibli Nomani, Siratul Nabi, Maktab al Rushad Lahore, 252, 253
47. Ibid
48. Islahi, Amin Ahsan, Tadabor e Quran, Faran Foundation, Lahore, 2000, p 3/714
49. Al e Imran: 67
50. Al Baqara: 132
51. Al Maida:18
52. Al Juma'a : 6
53. A Baqara: 61
54. Al e Imran: 68
55. Al Anbia: 105
56. Bani Israil:4
57. Pani patti, Sanaullah, Tafseer e mazhari, darul isha'a, Karachi
58. Dehlavi, Abdul Haq, Tafsee Haqqani, Mir Muhammad Kutub khana, Karachi,
59. Al Hajj: 40

60. Muslim bin Hajjaj, Sahish Muslim, kitabul Masajid wa mawazia' al salat, dar ahya al Turath al Arabi, Beirut, 1/370, hadith no 520
61. A'asqalani, Ibn e Hajar, Fathul Bari, darul ma'arifa, Beirut, 1379, p 495
62. Muhammad Ali, mqaddisa or Islam ka ijtimaa'I nizam, maktaba al Rashidia, Karachi, p 443-447
63. Al e Imran:139
64. Al Noor: 55
65. Al e Imran: 103
66. Al Anfal: 45
67. Al Anfal: 73
68. Sahih Muslim, bab fazal al ijtima' ala tilawat al Quran wa al zikar, hadith no 2699
69. Al Anfal :60
70. Ibid
71. Sahih Muslim, bab la taqoom al saa't…, hadith no 2922